إن الحكم إلا لله

خلافتِ اسلامیہ اور دیگر نظام ہائے سیاسی (تسہیل شدہ)

مولانا قاری طیب رحمہ اللہ

یہ اقتباس مصنف کی کتاب **"فطری حکومت"** سے لیا گیا ہے۔(مدیر)

خلافتِ اسلامیہ کیا ہے؟

اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اور بادشاہت جب تکوینی دائرے سے آگے بڑھ کر تشریعی دائرے میں داخل ہوتی ہے اور کائنات کی اشرف ترین مخلوق انسان، نائبِ الٰہی ہونے کے ناطے، جب اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ شریعت کو زمین پر نافذ کرتی ہے تو اسی کا نام 'خلافتِ اسلامیہ' ہے۔ خلافت رب تعالیٰ کی آسمانی بادشاہت کا زمین پر عملی مظہر ہے۔ جس طرح آسمان پر رب تعالیٰ کی بادشاہت ہے، اسی طرح زمین پر بھی حاکمیت اسی کو زیبا ہے اور اسی حاکمیت کو قائم کرنا خلافت کہلاتا ہے۔

خلافتِ اسلامیہ اور دیگر نظام ہائے حکومت وسیاست میں فرق

ہم یہاں اسی ربانی نظامِ سلطنت یعنی خلافتِ اسلامیہ کا نقشہ ذکر کریں گے اور دیگر باطل نظریہ ہائے حکومت، جن میں انسان اللہ تعالیٰ کی بجائے خود مطلق العنان بن بیٹھتا ہے، سے اس کا موازنہ کریں گے۔ خلافتِ اسلامیہ میں دینِ اسلام کے اصولوں کے مطابق مخلوقِ خداوندی کی تربیت کی جاتی ہے، جبکہ دیگر نظاموں میں خدائی بادشاہت کا نام تو استعمال کیا جاتا ہے مگر درپردہ انسانی اقتدار واستبداد ہی کارفرما رہتا ہے اور رب تعالیٰ کا نام استعمال کرکے انسان بزور حاکم بن بیٹھتے ہیں۔

خلافتِ اسلامیہ اور یہود کا نظامِ حکومت:

خلافتِ اسلامیہ یہودیوں کی آسمانی حکومت کی طرح نہیں ہے جس میں بادشاہ کو عمیلِ خدا (کارندۂ الٰہی) ظاہر کر کے اس کے انتخاب و تقرر، اُس کے صادر کردہ حکم اور اس کی ساری حکومت کو مِن جانب اللہ ثابت کر دیا گیا ہے۔ یعنی اس کا ہر فعل خدا ہی کا کیا ہوا ہے، لہٰذا مخلوق کو بادشاہ سے سرتابی اور انحراف و بغاوت کی مجال نہیں ہونی چاہیے۔ چنانچہ یہودی نظامِ حکومت میں احکامات صادر تو انسان کرتے ہیں مگر ان احکامات کو خدا کے نام پر واجب الاطاعت بنا دیا جاتا ہے۔

خلافتِ اسلامیہ اور عیسائی نظامِ حکومت:

اسی طرح اسلام کا نظامِ خلافت عیسائیوں کی آسمانی بادشاہت کی طرح بھی نہیں جس میں پاپائے روم نے بادشاہ کو خدا کا اوتار قرار دیتے ہوئے شاہی طاقت کو عین الٰہی طاقت ثابت کر دیا اور بادشاہ سے بغاوت فی الحقیقت خدا سے بغاوت سمجھی گئی۔ یوں عیسائی نظامِ حکومت کا حاصل بھی اس کے سوا کچھ نہیں کہ انسانی مطلق العنانیت کو خدائی اقتدار کے پردے میں چھپا کر حق بجانب قرار دیا جائے۔

خلافتِ اسلامیہ اور یونانی نظامِ حکومت:

اسلامی نظامِ خلافت یونانی نظریۂ حکومت سے بھی بلند تر ہے جس کے مطابق حکومت قوم اور بادشاہ کے مجموعے (یعنی ہر دو کی مرضی) سے بنتی ہے۔ لیکن دیوتاؤں کی دعائیں بہر حال بادشاہ کی کفیل رہتی ہیں اور بادشاہ جو کچھ بھی کر گزرے ___ قوم پر اس کی اطاعت اس لیے ناگزیر ہے کہ اس کی حکم عدولی کا مطلب دیوتاؤں کی مخفی طاقت سے ٹکر لینا ہے؛ اور بادشاہ سے انحراف فی الاصل دیوتاؤں کے تصرف سے بغاوت ہے۔

خلافتِ اسلامیہ اور مہابھارت کی بادشاہت:

اسی طرح خلافتِ اسلامیہ مہابھارت کی تجویز کردہ خدائی بادشاہت بھی نہیں جس میں بادشاہت کو ربّانی پیداوار کہہ کر اس کی عظمت کو عین خدا کی عظمت بتلایا گیا ہے۔ پھر اسی باطل تاویل کو استعمال کرتے ہوئے راجائی طاقت کو الٰہی طاقت کے نام سے منوایا گیا اور سیاسی مقاصد مذہبی تعظیم کے حیلے سے پورے کیے گئے۔ جیسا کہ آج بھی مختلف سیاسی پارٹیاں دین و مذہب کے نام پر اپنے سیاسی مقاصد پورے کرتی ہیں اور خدائی حکومت کے حیلے سے عوام کے جذبات کو بے تکلف استعمال کرتی رہتی ہیں۔

حقیقی حاکمیتِ الٰہی

غرض ان تمام نظریات میں خدا کا نام استعمال کر کے انسان کو خدائی کے اختیارات سونپے گئے اور شخصی مطلق العنانیت کو مذہب کے پردے میں چھپا کر پروان چڑھایا گیا۔ لیکن اسلام کے نظامِ خلافت میں اس کے برعکس خلیفہ کے تمام ذاتی اختیارات سلب کر کے اللہ تعالیٰ کے قانون کی طرف منتقل کر دیئے گئے ہیں۔ **خلافتِ اسلامیہ میں امیر کو نہ قانون سازی کا حق ہے، نہ ہی حکم و حکومت کا، بلکہ وہ صرف قانونِ الٰہی کی تنفیذ کا ذمہ دار بنایا گیا ہے۔** خلیفہ کی عظمت اگر رکھی گئی ہے تو وہ اس کے ذاتی تقویٰ وطہارت اور پابندیٔ قانونِ الٰہی کے معیار پر رکھی گئی ہے، نہ کہ خلیفہ یا امیر کا لفظ اس کے نام کے ساتھ لگ جانے کی وجہ سے۔ اس کے پاس قوانین بنانے کے اختیارات نہیں بلکہ ان کے نفاذ کے لیے کی جانے والی تدابیر کے اختیارات ہیں۔ اور اس میں تنہا خلیفہ کی شخصی رائے کو کافی نہیں سمجھا گیا بلکہ اہل حل و عقد کا مشورہ بھی ضروری قرار دیا گیا تاکہ امیر میں خدائی نیابت کے نام پر شخصی اقتدار و حکمرانی کا تصور بھی پیدا نہ ہونے پائے۔

پس اللہ تعالیٰ نے آسمانی بادشاہت کی طرح زمینی بادشاہت بھی اپنے ہاتھ میں رکھی ہے اور یہ بھی برداشت نہیں کیا کہ زمین پہ خلافت وامارت کا نقشہ بھی کوئی انسان تجویز کرے۔ امارتِ اسلامیہ اللہ تعالیٰ کی کائنات بھر پر قائم بادشاہت و حکومت کا تسلسل ہے جس کی روح اسی آسمانی بادشاہت کے اصول و فروع ہیں، انسانوں کے تراشیدہ قوانین وآئین نہیں۔ شریعتِ اسلامیہ اس تصور سے قطعی طور پر پاک ہے کہ انسانی حاکمیت کو فروغ دینے کے لیے خدا کا نام استعمال کیا جائے۔

خلافتِ اسلامیہ کے سات اصول

ا۔ خلافت میں اقتدارِ اعلیٰ اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے:

جس طرح آسمانی بادشاہت میں اقتدارِ اعلیٰ **ذاتِ باری تعالیٰ** کو حاصل ہے، اسی طرح نظامِ خلافت میں بھی مقتدرِ اعلیٰ اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے۔ اور زمین میں اسی کی حکومت کی تنفیذ کے لیے اس کا نائب یا گورنر 'رسولِ برحق' اور 'نائبِ رسول' کو بنایا گیا ہے، جسے 'امیر' یا 'خلیفہ' کہتے ہیں۔ پس نظامِ خلافت میں حاکمیت صرف اللہ تعالیٰ ہی کی مانی گئی ہے اور چونکہ یہ رسولُ اللہ کے واسطے سے مانی گئی ہے، سو رسول اور نائبِ رسول کی اطاعت واجب ٹھہرائی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ﴾ (النساء:59)

"اے ایمان والو! تم اللہ کا کہا مانو اور رسول کا کہا مانو اور (پھر) تم میں جو لوگ اہل حکومت ہیں، ان کا بھی (کہا مانو)"۔

۲۔ خلافت میں میزانِ اعلیٰ یعنی مرکزِ نظام 'قانونِ شریعت' ہے:

خلافتِ اسلامیہ میں مرکزِ نظام اور میزانِ اعلیٰ **'قانونِ شریعت'** ہے جس کے ذریعے اقوامِ عالم سربلند اور سرنگوں کی جاتی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"الميزان بيد الرحمن، يرفع أقواما ويضع آخرين"۔

"میزان رحمان کے ہاتھ میں ہے، جس سے وہ کسی قوم کو سربلند کر دیتا ہے اور کسی کو سرنگوں"۔[1]

۳۔ خلافت میں محورِ نظام 'مجلسِ شوریٰ' ہے:

نظامِ خلافت میں محور **مجلسِ شوریٰ** کو بنایا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَأَمْرُهُمْ شُورَى بَيْنَهُمْ﴾ (الشوری:38)

"اور ان کا ہر کام آپس میں مشورے سے ہوتا ہے"۔

۴۔ خلافت کا مقصدِ اعلیٰ 'اقامتِ دین' ہے:

خلافتِ اسلامیہ کا مقصدِ اعلیٰ **'اقامتِ دین'** ہے جس کا حاصل تربیت و تہذیبِ نفوس ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿الَّذِينَ إِنْ مَكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ﴾ (الحج:41)

"یہ لوگ ایسے ہیں کہ ہم ان کو دنیا میں حکومت دے دیں تو یہ نماز کی پابندی کریں اور زکوٰۃ ادا کریں، اور نیک کاموں کا حکم دیں اور بُرے کاموں سے منع کریں، اور سب کاموں کا انجام تو اللہ ہی کے اختیار میں ہے"۔

---

[1] المستدرك على الصحيحين للحاكم: كتاب التفسير، السنة لإبن أبي عاصم، باب الميزان بيد الرحمان

۵۔ خلافت میں مصلحتِ اعلیٰ 'مسلمانوں کے مابین اخوت اور بنی نوع انسان پر شفقت' ہوتی ہے:

نظامِ خلافت کی سب سے بڑی مصلحت امت کے تمام مسلمانوں کے مابین اخوت وبھائی چارگی پیدا کرنا اور انھیں ایک جسم بنانا ہے، اور پھر دیگر تمام اقوام کو اپنے ماتحت لا کر انھیں دنیوی زندگی کی عافیت وشفقت دینا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِلْعَالَمِينَ ﴾ (الأنبياء:107)

''اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے''۔

﴿ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ ﴾ (الحجرات:10)

''مسلمان تو سب بھائی بھائی ہیں''۔

خلافتِ اسلامیہ میں واجباتِ رعیت کے دو اصول:

آخری دو اصول رعایا کے واجبات سے متعلق ہیں، اسی لیے ان کو علیحدہ ذکر کیا جارہا ہے۔

٦۔ خلافت میں حلفِ وفاداری:

خلافتِ اسلامیہ میں حلفِ وفاداری بیعتِ امیر کی صورت میں انجام پاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتے ہیں:

﴿ إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ ﴾ (الفتح:10)

''جو لوگ آپ سے بیعت کر رہے ہیں، وہ تو اللہ سے بیعت کر رہے ہیں۔ اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے''۔

۷۔ خلافت میں عملی اطاعت شعاری:

خلافتِ اسلامیہ میں عملی اطاعت شعاری دراصل تمام معروف امور میں امیر یا خلیفہ کی سمع وطاعت کی صورت میں ہوتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

'' إسْمَع وَأَطِع وَلو عَبْدًا حَبَشِيًّا مُجَدَّعًا''۔

''سنو اور اطاعت کرو اگرچہ تم پر کوئی حبشی غلام ہی کیوں نہ امیر بنا دیا جائے، جس کے اعضاء بھی صحیح سالم نہ ہوں (یعنی بظاہر وہ حقیر وذلیل سمجھا جاتا ہو)''۔[٢]

---

[٢] صحیح ابن حبان

پس آسمانی بادشاہت کے نقوش پر خلافتِ اسلامیہ کے بھی سات اصول وارکان ہوتے ہیں؛ خلیفہ، مجلسِ شوریٰ، قانونِ شریعت، اقامتِ دین، اخوۃ و مساوات، بیعتِ خالص اور سمع و طاعت۔

چنانچہ واضح ہوا کہ خلافتِ اسلامیہ یا اسلامی حکومت کے نام سے صرف وہی حکومت قابلِ تسلیم ہے جس میں آسمانی بادشاہت کے یہ ساتوں اصولی نمونے پائے جائیں اور اس کی عمارت انھی سات ستونوں پر قائم ہو۔ اب اگر کہیں اسلامی حکومت کے نام پر شخصی یا قبائلی یا پارٹی اقتدار قائم کیا جائے تو وہ ہرگز خلافت نہیں بلکہ خلافت کی ضد ہو گی۔ کسی بھی سلطنت کی تعمیر میں اگر ان سات اصولوں کی مخالفت ہو گی تو وہ کسی طرح بھی ایک خالص اسلامی خلافت کہلانے کی مستحق نہیں ہو سکتی۔

خلافتِ اسلامیہ انسانوں کے بنائے ہوئے سیاسی نظاموں کو رد کرتی ہے

مذکورہ بالا سات اصولوں کی بنیاد پر جب خلافت کی عمارت تعمیر کی جائے گی تو خود بخود اسلامی سلطنت کے ایسے مظاہر نمودار ہو جائیں گے جن کے ذریعے انسانوں کی قائم کردہ حکومتوں اور اصطلاحی سیاستوں کی جڑ کٹ جائے گی۔ ان حکومتوں اور سیاستوں نے انسانوں کو قانون سازی کے خدائی اختیارات دے کر انسانی معاشرے کو بداخلاقیوں، بداعمالیوں اور باہمی پھوٹ کا شکار بنا ڈالا ہے اور دنیا کے امن و سکون کو بے معنی کر کے رکھ چھوڑا ہے۔

اب ہم نظامِ خلافت کے کچھ اثرات کا تذکرہ کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ یہ کیسے انسانوں کے بنائے ہوئے سیاسی نظاموں کو رد کرتے ہیں۔

قانونِ الٰہی کی پابندی کے صالح اثرات

امیر یا خلیفہ کے ساتھ جب میزانِ اعلیٰ یعنی قانونِ شریعت کو جوڑ دیا گیا تو نتیجتاً اب اس امارت میں انسانوں کی قانون سازی تو کجا، کوئی ایک ایسا اختراعی قانون بھی استعمال نہیں ہو سکتا جو انسانی دماغ کی پیداوار ہو۔ کیونکہ انسان کا علم بھی محدود ہے اور اس کی عقل بھی ہر قسم کے نفع و نقصان کا احاطہ نہیں کر سکتی، نیز وہ خود غرضی کی تہمت سے متہم بھی ہے کہ قانون سازی میں اپنا، اپنے قبیلے اور اپنی قوم کا نفع دوسروں پر مقدم رکھے گا۔

پس اگر کسی ضابطے کی جگہ محض انسانی منشاء حکمران ہو تو یہ خالص استبداد ہے، اور اگر قانون تو ہو مگر خود انسان کا اختراع شدہ ہو تو وہ خود غرضی کی تہمت سے بری نہیں۔ چنانچہ یہ دونوں صورتیں

قابلِ قبول نہیں۔ قانون وہی معتبر اور سارے انسانوں کے حق میں مفید ہو سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ ہو اور وہ "قانونِ شریعت" ہے جسے آپ ﷺ لے کر آئے ہیں۔ خلیفہ بھی اُسی کا پابند ہے اور رعایا بھی اسی کی ماتحت۔ **اس طرح خلیفہ کی مطلق العنانیت بھی ختم ہو جاتی ہے اور اس کے ساتھ 'عوام کی حکومت' کا فلسفہ بھی رد ہو جاتا ہے۔** پس اگر خلافت میں بسنے والی پوری رعایا قانون کے سلسلے میں امیر کے سامنے جواب دہ ہے تو امیر خود اللہ تعالیٰ کے سامنے جوابدہ ہے۔ اسلام میں امیر 'امیر مطلق' نہیں بلکہ 'امیر پابند' ہے، یعنی وہ قانونِ شریعت کی گرفت میں جکڑا ہوا ہے اور اسے کسی حال میں بھی ذاتی آزادی اور ذاتی خواہشات کی مطلق العنانیت حاصل نہیں۔

دوسرے لفظوں میں یوں سمجھیے کہ حکومت فی الحقیقت 'قانون سازی' کا نام ہے جبکہ قانون کی تنفیذ اور اس کا اجرا حکومت نہیں بلکہ اطاعتِ حکومت ہے۔ سو قانون ساز ہی حقیقتاً حکمران ہوتا ہے ___ خواہ وہ فرد ہو یا عوام ___ اور ہم ابھی ثابت کر چکے ہیں کہ قانون سازی نہ انسان کا حق ہے اور نہ ہی وہ اس پر قدرت رکھتا ہے بلکہ یہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے جو تمام انسانوں کا خالق و مالک ہے۔ اس لیے حکم اور حکومت بھی صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کا ہی حق ہے جس میں کسی مخلوق کی ادنیٰ سی بھی شرکت نہیں ہو سکتی۔

﴿إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ﴾ (يوسف: 40)

"حکم صرف اللہ کے لیے خاص ہے"۔

چنانچہ قرآنِ حکیم نے اقتدارِ اعلیٰ اور قانونِ اعلیٰ کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کو اس کی ذاتی یکتائی اور لاشریکی کے ساتھ ساتھ ملک و سلطنت کے بارے میں بھی یکتا اور لاشریک ٹھہرایا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ تَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَى عَبْدِهِ لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا (1) الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَلَمْ يَكُنْ لَهُ شَرِيكٌ فِي الْمُلْكِ﴾ (الفرقان: 1,2)

"بڑی عالی شان ذات ہے وہ جس نے یہ کتابِ فرقان اپنے بندۂ خاص پر نازل فرمائی تا کہ وہ تمام دنیا والوں کے حق میں ڈرانے والا ہو۔ وہ ایسی ذات ہے جس کے لیے آسمانوں اور زمین کی حکومت ہے اور اس نے کسی کو اولاد قرار نہیں دیا، اور حکومت میں اس کا کوئی شریک نہیں"۔

قانون سازی غیر اللہ کا حق نہیں:

پس امیر پابندِ حکم ہے، خود حاکم نہیں ہے۔ وہ حکمِ الٰہی کا مقیّد ہے، مطلق العنان نہیں ہے۔ وہ صرف زمین پر قانونِ الٰہی کی تنفیذ کا ذمہ دار ہے، قانون ساز نہیں ہے۔ **اس سے قدرتی طور پر قانون ساز اسمبلیوں، قانون ساز کمیٹیوں اور انسانی اقتدار کی علم بردار جماعتوں کی بھی جڑ کٹ جاتی ہے۔** اس کی وجہ یہی ہے کہ سارے انسان مل کر بھی اس قدر علم نہیں رکھتے کہ عالمگیر منافع کا کوئی قانون محض اپنے دل و دماغ سے تیار کر سکیں بلکہ اس قانون میں جگہ جگہ اتنی ہی کوتاہیاں ہوں گی جتنی کوتاہیاں خود انسانوں کے علم و عقل میں ہیں۔ **لہٰذا وہ سلطنت کبھی بھی اسلامی سلطنت یا خلافت نہیں کہلا سکتی جس میں قانون سازی میں انسان کا حق تسلیم کیا گیا ہو اور حکمرانی کا منصب انسانوں کو دیا جا رہا ہو۔ یہ تو رب تعالیٰ کی صفتِ ملکیت میں بھی شرک ہے اور اس کی صفتِ علم میں بھی شرک ہے اور اُس روحِ عبدیت کے منافی بھی ہے جس کے لیے انسان دنیا میں بھیجا گیا ہے۔** اور اس کے ساتھ ساتھ یہی انسانی حکومت انسانیت میں فتنہ و فساد کی جڑ اور بنیاد بھی ہے کیونکہ کوئی انسان بھی دوسرے انسان کی حکومت و فوقیت تسلیم نہیں کر سکتا، کہ انسان سب برابر ہیں۔ اور اگر جبراً تسلیم کرائی جائے گی تو یہیں سے انکار و بغاوت کا فتنہ سر اٹھائے گا جس سے فسادات، عداوتیں اور لعن و طعن وغیرہ کی حرکات رونما ہوں گی اور ایسی ریاست و حکومت منبعِ فساد ثابت ہوگی۔ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

''خِيَارُ أَئِمَّتِكُمْ الَّذِينَ تُحِبُّونَهُمْ وَيُحِبُّونَكُمْ وَيُصَلُّونَ عَلَيْكُمْ وَتُصَلُّونَ عَلَيْهِمْ وَشِرَارُ أَئِمَّتِكُمْ الَّذِينَ تُبْغِضُونَهُمْ وَيُبْغِضُونَكُمْ وَتَلْعَنُونَهُمْ وَيَلْعَنُونَكُمْ''۔

''تمہارے بہترین امرا وہ ہیں کہ تم ان سے محبت کرو اور وہ تم سے محبت رکھیں، تم ان پر رحمت بھیجو اور وہ تم پر رحمت بھیجیں، اور تمہارے بدترین امرا وہ ہیں کہ تمہیں ان سے بغض ہو اور انہیں تم سے بغض ہو، تم ان پر لعنت بھیجو اور وہ تم پر بھیجیں''۔[۳]

پس ایک اللہ تعالیٰ ہی کی ذاتِ بابرکت ہے جس کی حکمرانی بلا استثنا ساری کائنات تسلیم کر سکتی ہے اور تمام عالَم کا سیاسی فساد ختم ہو سکتا ہے، سو اسی کو اسلام نے دنیا کے سامنے پیش کر دیا ہے۔

[۳] الصحيح لمسلم؛ كتاب الإمارة، باب خيار الأئمة وشرارهم

خلافت میں شوریٰ کے صالح اثرات

مجلسِ شوریٰ کی ضرورت:

پھر اقتدارِ اعلیٰ اور قانونِ شریعت کے ساتھ جب مجلسِ شوریٰ کو نتھی کر دیا جائے تو اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اسلام میں 'قانون سازی' کے لیے تو کسی مجلس کا قیام عمل میں نہیں لایا جا سکتا لیکن 'قانون فہمی' کے لیے مجلس ناگزیر ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ خلافت میں حکمرانی قانونِ شریعت کی ہے اور یہ انسانوں کا تجویز کردہ نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا بنایا ہوا قانون ہے جو تمام انسانی دماغوں کے ہر ہر گوشہ پر محیط ہے، لہٰذا اُس کے جامع احکامات میں سے مناسب وقت پر مناسب ہدایت اخذ کرنے کے لیے ایک دماغ کافی نہیں بلکہ یہ اہلیت کے حامل کئی دماغوں کا کام ہے۔ چنانچہ امیر اور قانونِ شریعت کے ساتھ مجلسِ شوریٰ کو لازمی قرار دیا گیا ہے۔

شوریٰ کا فریضۂ منصبی:

پس شوریٰ کا اہم اور بنیادی کام یہ ہے کہ امیر کو نہ قانونِ شریعت سے باہر جانے دے اور نہ قانون کے اندر غلط روی اختیار کرنے دے۔ اس لیے اسلام میں امیر کو مجلسِ شوریٰ سے مشورہ لینے کا پابند بنایا گیا۔ اسلام نے تنفیذِ قوانین، تحفظِ ملک و ملت کی تدابیر، اندرونی واقعات و حالات کے مطابق احکام و مسائل کا انتخاب اور وقت کے مناسب احکام سے جزئیات کا استنباط جیسے اہم امور میں امیر کے لیے مشورہ واجب قرار دیا اور یوں مجلسِ شوریٰ کو امارت اسلامیہ کا بنیادی جزو بنا دیا ہے۔ پس اسلام میں 'امارتِ مطلقہ' نہیں بلکہ 'امارتِ شورائیہ' ہے۔

ڈکٹیٹر شپ اور استبداد کی نفی، نیز خاندانی موروثیت کارد:

یوں خلیفہ کے ساتھ مجلسِ شوریٰ کا جوڑ لگا دینے سے ایک طرف تو شخصی سلطنت اور استبداد کی جڑ کٹ جاتی ہے اور ڈکٹیٹر شپ کسی نہج سے بھی اسلامی چیز قرار نہیں پاتی، ساتھ ہی موروثیت اور خاندانی گدّی نشینی کا فلسفہ بھی رد ہو جاتا ہے اور امیر صالح کا انتخاب اساسی چیز قرار پاتا ہے۔

نیز اس سے 'اہل حل و عقد' (یعنی مجلسِ شوریٰ) کا سب سے اہم اور نازک فریضہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ وہ بیدار مغزی اور اعلیٰ ترین فکر و نظر سے ایسی موزوں شخصیت کا انتخاب کریں جو دنیائے خلافت کی سرداری کے لیے اہل اور مناسب ترین ہو۔

پس جس سلطنت کی عمارت ڈکٹیٹر شپ کی بنیاد پر کھڑی ہو یا جس کا بنیادی اصول صلاح ورشد سے قطعِ نظر کرکے محض خاندانیت اور موروثیت ہو تو یقیناً یہ کوئی شرعی اور اسلامی اصول نہ ہو گا۔

امیر اور حقِ فیصلہ:

پھر مشورہ لینے کا پابند کر دینے کے باوجود تمام کاموں کا آخری مرجع خلیفہ ہی کو قرار دیا گیا ہے، یعنی مشورے کے بعد فیصلہ کرنا خلیفہ ہی کا کام ہے، شوریٰ کا نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ خلیفہ جن امور کو مجلسِ شوریٰ میں زیرِ بحث لائے گا تو ان میں کئی آراسامنے آئیں گی، اگر ایسے میں شوریٰ ہی کو فیصلے کا حق دیا جائے تو شوریٰ کا ہر فرد اپنی رائے کو راجح قرار دے گا اور یوں اختلاف بر قرار رہے گا جبکہ فیصلہ نہ ہو پائے گا۔ مجلسِ شوریٰ میں اختلافِ رائے خود ہی عدمِ فیصلہ کی دلیل ہے۔ پس جو فیصلہ نہیں کر سکتا، اسے فیصلے کا مالک کیسے تسلیم کیا جا سکتا ہے؟! شریعت کے ساتھ ساتھ عقل کا بھی یہی تقاضا ہے۔ چنانچہ فیصلے کا اختیار خلیفہ ہی کے پاس ہے اور اسی کا کام ہے کہ وہ آراءء میں سے موزوں ترین رائے کا انتخاب کرے۔

شوریٰ کے اسلامی تصور سے کثرتِ رائے (جمہوریت) کی نفی:

پس یہ شرعی اصول اس فلسفے (یعنی جمہوریت) کی جڑ ہی کاٹ دیتا ہے کہ فیصلے کی بنیاد کثرتِ رائے ہے، کیونکہ امیر منتخب شوریٰ کی آراء میں رائے شماری اور اکثریت واقلیت کا پابند نہیں بلکہ قوتِ دلیل کا پابند ہے۔ پس قوتِ دلیل اساسی چیز ہے، نہ کہ کثرتِ رائے۔ دینِ اسلام میں انسانوں کی اکثریت کا کسی ایک جانب آجانا حق وباطل کا فیصلہ کرنے کے لیے کوئی بنیادی حیثیت نہیں رکھتا۔ اسی لیے اکثریت کو قرآن حکیم نے حد درجہ غیر اہم ٹھہرایا ہے اور دین وملک اور دیانت وسیاست کے تمام ہی دائروں میں اکثریت کی بے وقعتی اور بے اعتباری کھلے لفظوں میں بیان کی ہے۔ قرآن حکیم میں ایک سے زائد جگہوں پہ ارشاد ہے:

﴿وَمَا أَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِينَ﴾ (یوسف: 103)

”اور اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے گو آپ کا کیسا ہی جی چاہتا ہو“۔

﴿وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُونَ﴾ (هود: 17)

”لیکن اکثر آدمی ایمان نہیں لاتے“۔

﴿بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ﴾

”بلکہ ان میں سے اکثر آدمی نہیں

(العنکبوت: 63) | سمجھتے"۔

﴿وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ﴾ (الأعراف: 187) | "اور لیکن اکثر آدمی علم نہیں رکھتے"۔

﴿وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُونَ﴾ (الأنعام: 111) | "لیکن ان میں سے اکثر لوگ جہالت کی باتیں کرتے ہیں"۔

﴿بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ الْحَقَّ فَهُمْ مُعْرِضُونَ﴾ (الأنبياء: 24) | "اور ان میں اکثر آدمی حق کو نہیں جانتے بلکہ اس سے منہ پھیرنے والے ہیں"۔

﴿وَمَا يَتَّبِعُ أَكْثَرُهُمْ إِلَّا ظَنًّا إِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا﴾ (یونس: 36) | "اور ان میں سے اکثر لوگ صرف بے اصل خیالات پر چل رہے ہیں اور یقیناً بے اصل خیالات امرِ حق میں ذرا بھی مفید نہیں"۔

﴿وَمَا وَجَدْنَا لِأَكْثَرِهِمْ مِنْ عَهْدٍ وَإِنْ وَجَدْنَا أَكْثَرَهُمْ لَفَاسِقِينَ﴾ (الأعراف: 102) | "اور اکثر لوگوں میں ہم نے وفائے عہد نہ دیکھی، اور ان میں سے اکثر جھوٹے ہیں"۔

﴿وَلَقَدْ ضَلَّ قَبْلَهُمْ أَكْثَرُ الْأَوَّلِينَ﴾ (الصافات: 71) | "اور ان سے پہلے بھی اگلے لوگوں میں اکثر گمراہ ہو چکے ہیں"۔

﴿لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلَىٰ أَكْثَرِهِمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ﴾ (یس: 7) | "ان میں سے اکثر لوگوں پر بات ثابت ہو چکی ہے، سو یہ لوگ ایمان نہ لائیں گے"۔

﴿وَكَثِيرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ﴾ (الحج: 18) | "اور بہت سے ایسے ہیں جن پر عذاب ثابت ہو گیا ہے"۔

﴿كَمْ مِنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللَّهِ﴾ (البقرة: 249) | "بارہا چھوٹی چھوٹی جماعتیں بڑی بڑی جماعتوں پر خدا کے حکم سے غالب

آ گئیں"۔

﴿لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ فِي مَوَاطِنَ كَثِيرَةٍ وَيَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنكُمْ شَيْئًا وَضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُم مُّدْبِرِينَ﴾ (التوبة: 25)

"اللہ تعالیٰ نے بے شمار مواقع پر تمہاری مدد کی اور حنین کے دن بھی کی، جبکہ تمہیں تمہاری کثرت نے دھوکے میں ڈال دیا تھا، پھر وہ کثرت تمہارے کچھ کام نہ آئی اور زمین باوجود اپنی فراخی کے تم پر تنگ ہونے لگی، پھر تم پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوئے"۔

﴿قُل لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ أَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيثِ﴾ (المائدة: 100)

"آپ فرما دیجیے کہ ناپاک اور پاک برابر نہیں، گو تمہیں ناپاک کی کثرت تعجب میں ڈالتی ہو"۔

﴿وَإِن تُطِعْ أَكْثَرَ مَن فِي الْأَرْضِ يُضِلُّوكَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ إِن يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ﴾ (الأنعام: 116)

"اور دنیا میں زیادہ لوگ ایسے ہیں کہ اگر آپ ان کا کہا ماننے لگیں تو آپ کو اللہ کی راہ سے بے راہ کر دیں، اور وہ محض بے اصل خیالات پر چلتے ہیں اور اٹکل پچو لڑاتے ہیں"۔

پس قرآن نے دنیا کی اکثریت سے ایمان کی نفی کی، عقل کی نفی کی، علم کی نفی کی، محبتِ حق کی نفی کی، تحقیق کی نفی کی، بیداری اور فہم کی نفی کی، ایفائے عہد کی نفی کی، ہدایت کی نفی کی، ثوابِ آخرت اور جنتی ہونے کی نفی کی، جہاد میں اکثریت کے گھمنڈ پر فتح و نصرت کی نفی کی، اور قابلِ استعمال اشیاء میں اکثریت کے معیار پر حلال و طیب ہونے کی نفی کی۔ گویا واضح کر دیا کہ دنیا میں ہر دائرے کی اکثریت معیارِ حق تو کیا ہوتی، مرکزِ باطل ہے۔ کیونکہ امرِ واقع یہ ہے کہ دنیا کی اکثریت حماقت، جہالت، کراہتِ حق، اٹکل کی پیروی، غفلت، بدعہدی، ضلالت، عذابِ اُخروی، جہنم رسیدگی اور

شکست خوردگی وغیرہ کا شکار ہے۔ چنانچہ محض عددی اکثریت اسلام کے مطابق کہاں قابلِ وقعت قرار پاسکتی تھی کہ اسے حقوق کے لیے فیصلہ کن اصول تسلیم کیا جاتا اور امیر کو اس کا پابند کر دیا جاتا؟!

کثرتِ رائے کب اور کس شرط پر معتبر ہے:

شریعت کی رو سے کثرتِ رائے صرف ایک صورت میں معتبر ہے، جب مسئلے کے دو پہلو ہوں اور دونوں ہی مباح ہوں۔ ایسے میں کثرتِ رائے کے ذریعے کسی ایک پہلو کو ترجیح دی جاسکتی ہے، مگر اس کے لیے بھی کچھ شرائط ہیں۔ مثلاً یہ کہ:

- یہ اکثریت دیانتدار لوگوں کی ہونی چاہیے، ورنہ خائنوں اور فاسقوں کی اکثریت کے مقابلے میں بلاشبہ ان افراد کی اقلیت قابلِ ترجیح ہوگی جن کی دیانت و امانت مسلّم اور جن کا فہم وذوقِ سلیم معروف ہو۔
- ایک پہلو کو دوسرے پر ترجیح دینے سے منصوص احکامات میں خلل نہ پڑے۔
- اکثریت جس پہلو کو ترجیح دے اس پر اتنا زور بھی نہ دیا جائے کہ جانبِ مخالف قابلِ ملامت قرار پا جائے۔ یعنی اگر کسی مباح کام کے متعلق (جس کے کرنے یا نہ کرنے کا شریعت نے اختیار دیا ہے) کثرتِ رائے سے اس کا کرنا ترجیح پا جائے تو اس کام کے ترک کو مکروہ یا ممنوع نہ ٹھہرایا جائے، اور اسی طرح اگر اس کام کو ترک کرنا راجح قرار پائے تو اس کام کا کرنا قابلِ نکیر و ملامت نہ سمجھا جائے۔ اگر ایسا کیا گیا تو وہ کام مباح نہیں رہے گا بلکہ اباحت کی حدود سے نکل کر واجب یا حرام کی حدود میں آجائے گا اور کسی مباح کام کو واجب و حرام بنانا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا حق نہیں۔ پس اگر ایسا کیا گیا تو یہ بدعت کہلائے گا جس کی مذمت سے شریعت بھری پڑی ہے۔
- اکثریت بھی عوام کی نہیں بلکہ ان اہلِ علم و فضل کی معتبر ہے جو ذوقِ تشریع اور حکمتِ شریعت سے بہرہ ور ہوں، ورنہ عوام الناس کی اکثریت اگر کلیتاً بھی کسی مسئلے پر متفق ہو جائے تو اس کی کوئی وقعت نہیں۔

خلاصہ کلام یہ ہوا کہ اکثریت اسی وقت معتبر ہے جب مسئلہ مباحات میں سے ہو اور اکثریت عوام کی بجائے اہلِ علم و فضل کی ہو اور وہ اکثریت بھی اپنی حدود میں رہے۔ پس منصوصات یعنی فرائض

وواجبات، سنن و مستحبات اور مکروہات و محرمات وغیرہ میں کثرتِ رائے کا کچھ اعتبار نہیں۔ یوں یہ دائرۂ کار بہت ہی تنگ ہو جاتا ہے۔

خلیفہ اکثریت کا پابند نہیں

پھر ساری شروط جمع بھی ہو جائیں مگر معاملہ حقوق کا ہو تو اُس میں محض عددی اکثریت اس وقت تک کوئی حجت نہیں رکھتی جب تک قواعدِ شرعیہ اُس کی موافقت نہ کریں۔ **پس اصل فیصلہ قواعدِ شرعیہ کی بنا پر ہو گا، نہ کہ اکثریت کے جمع ہو جانے پر۔ اور خلیفہ کو مطلقاً اس عددی اکثریت کا تابع اور محکوم قرار دیا جانا بلاشبہ قواعدِ شرعیہ کے خلاف ہے۔** اس لیے خلیفہ محکومِ اکثریت نہیں ہو سکتا ورنہ خلیفہ کی محکومیت آمریتِ شوریٰ اور مجبوریتِ امیر پر منتج ہو گی جس کا حاصل لامرکزیت وانتشار ہو گا۔

بہر حال امارت بلا شوریٰ استبداد اور ڈکٹیٹری ہے اور شوریٰ بلا امیر لامرکزیت وانتشار ہے۔ اسلام نے نہ جمہوریت کی افراط باقی رکھی ہے اور نہ موروثی شخصیت کی تفریط، بلکہ امارتِ شورائیہ میں حقیقی اعتدال و جامعیت پیدا کر کے اسے کامل ہیئتِ انتظامی عطا کر دی ہے جو اسلام ہی کی عالمگیر شان ہو سکتی تھی۔ اسلام نے اپنی کمال جامعیت سے خلیفہ وامیر کو فیصلے کا اختیار دے کر اور تمام مسلمانوں پر اس کی اطاعت لازم قرار دے کر لامرکزیت کو ختم کر دیا ہے تاکہ خلافتِ اسلامیہ عوام الناس کی نفسانی خواہشات و مطالبات کے سپرد نہ ہو جائے، اور ساتھ ہی با اثر شوریٰ رکھ کر امیر کے استبداد اور مطلق العنانی کو توڑ دیا ہے تاکہ پوری امت انفرادیت اور شخصی جذبات و تجبر کا شکار نہ بن جائے۔ پس اسلام میں خلیفہ وامیر محتاجِ مشورہ بھی ہے اور صاحبِ عزم بھی۔ انھی دونوں مقاموں کو قرآن نے جمع فرما کر اعلان کیا ہے:

﴿ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ﴾ (آل عمران:159)

”اور ان سے خاص خاص باتوں میں مشورہ لیتے رہا کیجیے، پھر جب آپ عزم کر لیں (یعنی کسی ایک رائے کو اختیار کر لیں) تو اللہ تعالیٰ پر اعتماد کیجیے“۔

مقصدِ خلافت کے صالح اثرات اور پارٹی سسٹم کا رد

پھر نظامِ خلافت میں امیرِ عام، قانونِ شریعت اور مجلسِ شوریٰ کے ساتھ مقصدِ اعلیٰ یعنی ’اقامتِ دین کے ذریعے تہذیبِ نفوس‘ شامل کر دینے سے واضح ہوتا ہے کہ اسلامی امارت کا نصب العین نہ

استعمار ہے، نہ قوموں کو غلام بنانا، نہ تکثیرِ دولت ہے، نہ تجارت، نہ روٹی ہے اور نہ ہی کرسی۔ صرف ایک ہی نصب العین ہے کہ انسانوں کو گمراہیوں سے نکال کر راہِ راست پر لایا جائے اور انھیں ربِ واحد کی بندگی سکھلائی جائے، تاکہ دنیا میں توحید غالب ہو اور بدی مغلوب ہو جائے۔

اب جبکہ خلافت کا نصب العین الٰہی راستہ ٹھہرا اور اس پر چل کر روحانیت کی تکمیل اور مادیت کی اصلاح اُس کی غرض و غایت ٹھہری ___ تو اسی سے یہ بھی نمایاں ہو جاتا ہے کہ خلافتِ اسلامیہ مختلف الخیال پارٹیوں کا ہتھیار نہیں بن سکتی، کہ مختلف پارٹیاں ووٹ کی طاقت سے برسر اقتدار آکر اپنے اپنے نظریات کو پھیلنے اور پھلنے کا موقعہ دیں۔ خلافتِ اسلامیہ کے نصب العین میں مختلف نظریات کی بحث ہی نہیں آتی، کیونکہ یہاں تو صحیح عقیدے اور سچی فکر کے ساتھ انسانیت کی تکمیل کر کے اسے بارگاہِ الٰہی تک باریاب کرنا مقصود ہے، عامۃ الناس کے وساوس اور پراگندہ خیالات کو پرورش دے کر دنیا کو ذہنی انتشار میں مبتلا کرنا اور اُن کی یک جہتی کو پامال کر دینا مقصود نہیں۔ پس خلافت ہدایت و بھلائی کا باعث ہوتی ہے، فساد اور شرارتوں کا مخزن نہیں ہوتی۔

چنانچہ اس نصب العین سے پارٹی سسٹم کی جڑ کٹ جاتی ہے جہاں مختلف پارٹیاں اپنے اپنے لیڈران کی زیرِ سرکردگی مختلف نصب العینوں کی حکمرانی کے لیے عوام سے ووٹ حاصل کر کے برسر اقتدار آتی ہیں اور عوام الناس کو پراگندیٔ خیال کا شکار بنا کر اُن کا دین و دنیا تباہ کر دیتی ہیں۔ پس جو حکومت بھی پارٹی سسٹم کے اصُول پر قائم ہو گی ___ جس میں ایک لیڈر خود اپنا انتخاب کر کے عوام کے ووٹ سے حکومت میں شامل ہوتا ہے ___ وہ یقیناً اسلامی حکومت نہ ہو گی، بلکہ ایک ایسی حکومت ہو گی جس میں اصلاح پر فساد اور امن و سکون پر بے چینی و اضطراب غالب ہو گا اور وہ کبھی بھی عوام کے لیے سکون و اطمینان کا سامان مہیانہ کر سکے گی۔